نسبت دریافت کرنے پر متوجہ کیا: پس ہم نے اس کے کلام کی طرف توجہ کی کما قال فی القرآن :—

۱۔ واللہ خلقکم وما تعملون اور

۲۔ ذلکم اللہ ربکم خالق کل شیئ

پر غور کیا تو ہم اپنی نسبت صدور اور اس کی معبودیت کو موجب نجات سمجھنے لگے مگر تجلیات عرفانی نے ہمارا قدم ذرا آگے بڑھایا تو ہم نے ان آیات قرآنی میں تدبر کیا

۱۔ وھو معکم اینما کنتم

۲۔ وفی انفسکم افلا تبصرون

۳۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید

۴۔ سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتٰی یتبیّن لھم انہ الحق۔

۵۔ اولم یکف بربّک انہٗ علٰی کل شیٔ شھید

۶۔ الا انّھم فی مریۃٍ من لقاءِ ربھم ط الا انّہٗ بکلّ شیٔ محیط ط

۷۔ وما رمیت اذ رمیت ولٰکنّ اللہ رمٰی ط

۸۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیھم

۹۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض......الخ

۱۰۔ ھوالذی فی السماءِ الٰہٌ وفی الارض الٰہٌ

۱۱۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ

۱۲۔ ھوالاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیٔ علیمٌ ط

توصوفیہ ان آیات پر غور کرنے کے بعد وحدت وجود کے اعتقاد پر مجبور ہو گئے اور ان پر منکشف ہو گیا کہ شریعت کا اصلی عرفان یہی ہے اور اسی عرفان وحدت وجود سے صحابۂ کرام، اولیائے عظام اور مشائخ طریقت مقامات اور مدارج عُلیا تک پہنچے۔

امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت، اربعین اور احیاء العلوم میں توحید کے

چار مدارج بیان کئے ہیں:۔

ا۔ توحیدِ لسانی: صرف زبان سے توحید کا اقرار کرنا (یہ منافقین کا طریقہ ہے)
ب۔ توحیدِ قلبی: سچے دل سے توحید کا اقرار کرنا (اور یہ مومنوں کا طریقہ ہے)
ج۔ توحیدِ کشفی: نورِ حق کے ذریعے سے بطور کشف اس کا مشاہدہ کرے۔ یعنی تمام اشیائے کائنات کو وحدت سے صادر شدہ دیکھے (اور یہ مقربین کا درجہ ہے)
(د)۔ توحید حالی: ساری کائنات میں اسے وحدت ہی وحدت نظر آئے (اور یہ صدیقین کا مرتبہ ہے) اور حضرت صدیق اکبرؓ اس جماعت شریفہ کے پیشوا ہیں۔

ثبوت اس بات کا یہ ہے کہ وفاتِ رسول اللہؐ سے سب صحابہ غمگین اور محزون ہو گئے تھے۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ کے قلبِ مطہر میں نہ غم تھا نہ حُزن، نہ اضطراب تھا نہ انتشار۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کی نگاہ میں غیر اللہ کی ہستی فنا ہو چکی تھی۔ انہیں ہر طرف اللہ ہی اللہ نظر آتا تھا۔ چنانچہ آپؓ فرماتے ہیں "میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر اس سے پہلے اس میں اللہ کو دیکھا۔"

اسی لئے حضورؐ نے فرمایا:
"اگر کوئی شخص مُردے کو زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے تو وہ ابوبکرؓ کو دیکھ لے"

باز آمدم بر سرِ مطلب، ہزاروں اکابر اولیائے اُمّت، وحدت وجود کے قائل تھے ظاہر ہے کہ یہ تمام بزرگانِ دین، ضلالت پر مجتمع نہیں ہو سکتے تھے۔ مثلاً سر آمد اولیائے سلسلہ نقشبندیہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ فرماتے ہیں:

کثرتِ ایں نقشہا عرضِ تجلی ہائے اُوست
در دو عالم غیرِ یک نقاش کس موجود نیست

(۱) متکلمین تو بجز نسبتِ ظہورِ خلق وصانعیت ومصنوعیت اور کچھ ثابت نہیں کرتے۔ اور اس کی مثال میں "ہیچو نسبتِ کوزہ وکلال" کہا کرتے ہیں۔

(۲) صوفیہ میں دو جماعتیں ہیں:۔

ا۔ حضرت علاؤ الدولہ سمنانیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ حق اور خلق کے درمیان تجلّی کی نسبت ہے۔ یعنی نسبتِ اصل با ظلِّ خویش۔

ب۔ شیخ اکبرؒ، صدر الدین قونوی، عراقی، جامیؒ، شیخ امان اللہ پانی پتی، عبد القدوس

گنگوہیؒ، شیخ محب اللہ الہ آبادی اور مولانا فضل حق خیرآبادیؒ فرماتے ہیں کہ ظہور کی نسبت ہے یعنی ظہور وحدت در کثرت ہمچو ظہور آب در امواج و ژالہ و حباب۔ اور یہ کثرت اعتباری مزاحم وحدت حقیقی نہیں ہے۔

حضرات وجودیہ و شہودیہ کا اختلاف چنداں اہم نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں

"لافرق بینهما الّا فرقًا ضعیفاً.............الخ"

حضرات شہودیہ نے خود لکھا ہے کہ:

"ظلّ را در حقیقت، حقیقتے دیگر غیر از اصل او نیست ہماں اصل در قرینۂ ثانیہ ظہور کردہ، خود را ظل وانمودہ است"

کثرت ظلی مخل وحدت حقیقی نہیں ہے۔ بہرحال وجود تو ایک ہی قرار پاتا ہے۔ ہاں دونوں میں اتنا فرق بہرحال ضروری ہے کہ

ا۔ ارباب شہودیہ کے نزدیک یہاں پر حمل بالمواطات صحیح نہوگا۔ یعنی یہ نہیں کہا جائے گا کہ دھوپ عین آفتاب ہے اور آفتاب عین دھوپ ہے۔ بالفاظ دگر، یہاں حمل بالاشتقاق صحیح ہوگا۔ لیکن

ب۔ حضرات وجودیہ کے نزدیک یہاں حمل بالمواطات بالکل صحیح اور درست ہوگا۔ یعنی دھوپ عین آفتاب ہے جس طرح موج عین بحر ہے۔ چنانچہ خلّاق المعانی حضرت میرزا بیدلؒ فرماتے ہیں:

از موج تواں شنید اسرار محیط
در کام اگر کشد زبان خود را

ز سیر عالم دل غافلیم ورنہ حباب !!
سرے اگر بگریباں فرد بُرد، دریاست

نکتہ توحید بشنو از نیاز بے نیاز
کیں ہمہ نقش دو عالم نیست الّا نقشبند !

آخر میں اس بات کی صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود فلسفے میں سب سے مشکل مسئلہ ہے۔ تعبیر یا تقریر میں ذرا سی بھول چوک ہو جائے تو کفر یا الحاد لازم

آجاتا ہے۔ اس لئے جو لوگ اس مسئلے کو سمجھنا چاہتے ہیں، انہیں میں یہ مشورہ دونگا کہ پہلے وہ منطق، فلسفہ اور کلام یہ تینوں فنون کسی ماہر فن سے پڑھ لیں۔ پھر فصوص الحکم کسی ماہر فن سے سبقاً سبقاً پڑھیں اور جب تک ایک بحث پورے طور سے سمجھ میں نہ آجائے دوسری بحث شروع نہ کریں۔ ایسا کرنا محض تضیع اوقات ہوگا۔ یہ دونوں مشورے میں اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر دے رہا ہوں۔ اکبر الہ آبادی مرحوم کے اس در بے بہا پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں ؎

سالک کو دم تیغ ہے قطع رہ توحید
دو ہو گیا اک آن میں، چوکا جو ذرا بھی

نوٹ: اس شعر میں لفظ "دو" کی معنویت میری تحسین سے بالاتر ہے۔

اگرچہ مشائین واجب الوجود کو کلی طبعی مانتے ہیں لیکن صوفیۂ صافیہ کے نزدیک وہ جزئی حقیقی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اس عالم میں بجز ایک ذات اور کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ ذات بسیط ہے اور وہی اصل وجود ہے۔ لیکن وہ ذات نہ تو ایسی کلی ہے جو حقیقۃً کثرت کو قبول کرے اور نہ ایسی جزئی ہے کہ کثرت کو قبول ہی نہ کرے۔ بلکہ وہی ایک ذات الگ الگ اعتباری صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس کی ذات وہ سرچشمہ ہے جس سے لاتناہی تعینات کا صدور ہوتا رہتا ہے اور ان تعینات پر جو ایک ہی ذات سے ظاہر ہوتے ہیں، مختلف احکام مترتب ہوتے ہیں۔ پس جو متعین شے اپنے پورے تعین کے ساتھ موجود ہے، وہی ممکن ہے اور جو اس سے بالکل معرا ہے وہ واجب ہے۔ پس علم کا مطلب اسکی ذات کا علم ہے۔ کیونکہ اس کی ذات ممکنات سے بالکل مغائر نہیں ہے بلکہ اعتباری مغائرت رکھتی ہے۔

---

# المضاربۃ والمزارعۃ

مولانا سید حامد میاںؒ

(یہ مقالہ مولانا موصوف نے دوسرے سالانہ محاضرات قرآنی کے موقع پر ارسال فرمایا تھا۔ ادارہ)

اردو میں اسے مضاربت لکھتے اور بولتے ہیں۔ عربی میں اسے مُقَارَضَہ اور مُعَامَلَہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شریک کا روپیہ ہو اور دوسرے شریک کی محنت ہو۔

تجارت کے طریقوں میں مضاربت کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اس طریقہ سے تجارت کرتے تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز قرار دیا۔ وہ جسے روپیہ دیتے تھے اس سے یہ شرطیں طے کر لیا کرتے تھے کہ وہ مال لے کر بحری سفر نہ کرے۔ مال کسی وادی میں نہ اتارے (کیونکہ وادی نشیب میں ہوتی ہے اور پہاڑی علاقہ میں کہیں دور بارش ہوئی ہو تو اچانک پانی بے خبری میں آکر سامان وغیرہ سب بہا لے جاتا ہے۔) ایک شرط یہ طے کیا کرتے تھے کہ میرا مال جانور خریدنے کے کام میں نہ لانا۔ اگر تم نے ایسا کیا اور پھر کوئی نقصان ہوا تو تم پر ضمان آئے گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرطیں درست قرار دیں۔

مضاربت کے ثبوت کی دوسری دلیل اجماعِ صحابہؓ ہے۔ سیدنا عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وعنہم نے مضاربت پر مال دیا ہے۔ اور ان حضرات نے یتیم بچوں کے مال مضاربت پر دیئے ہیں۔

یہ سب کچھ سب صحابہؓ کرام کے سامنے ہوتا رہا۔ اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اس لئے اسے اجماع کہا گیا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ اور عبیداللہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے عراق گئے۔ ان دنوں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہاں امیر تھے۔ انہوں

نے ان سے فرمایا کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں آپ کو پیش کرتا۔ میرے پاس مرکزی بیت المال بھیجنے کے واسطے روپیہ رکھا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ اس کا یہاں سے سامان خرید لیں۔ مدینہ منورہ پہونچ کر فروخت کر کے روپیہ بیت المال میں داخل کر دیں اور نفع آپ رکھ لیں۔ جب یہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر فرمایا کہ روپیہ کسی کا بھی نہیں ہے۔ یہ روپیہ بیت المال (اسٹیٹ بینک) کا ہے اور یہ سب مسلمانوں (عوام) کا ہے۔ اس لئے روپیہ اور نفع سب بیت المال میں داخل کر دو یہ نفع بھی سب مسلمانوں (عوام) کا ہی رکھو۔ اس پر عبداللہؓ خاموش ہو گئے اور عبیداللہ نے عرض کیا کہ اس میں ہماری محنت اور ذمہ داری بھی شامل ہے کہ اگر یہ ہم سے تلف ہو گیا ہوتا تو ہم اس کے ذمہ دار ہوتے اور ضمان دیتے۔ اور صحابہ کرام بھی موجود تھے انہوں رائے دی کہ اے امیر المومنین! آپ ان دونوں کا مضاربت کی طرح نفع میں حصہ کر دیجئے آدھا نفع ان کو اور آدھا بیت المال کو دیدیجئے۔ آپ نے اس صورت پر عمل کرنے کی اجازت دیدی۔

غرض جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ سے لے کر اب تک ہر دور میں اس صورت پر عمل چلا آرہا ہے اور کبھی کسی نے اسے منع نہیں کیا۔ اور اجماع امّت جس زمانہ میں بھی ہو حجّت ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ ہر دور میں پایا جا رہا ہو۔ نیز عقلی طور پر بھی ظاہر ہے کہ تجارت کی اس صورت کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے اور تجارت کی اہلیت نہیں ہوتی اور دوسرے شخص کا ذہن تجارتی ہوتا ہے لیکن اس کے پاس مال نہیں ہوتا تو اس صورت کے مشروع ہونے میں دو ضرورتمندوں کی ضرورت رفع ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ نے خرید و فروخت کا سلسلہ کے مصالح کے لئے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے ہی کے لئے رکھا ہے۔

(بدائع الصنائع ص ۷۹ ج ۶)

اس تجارتی معاملہ کو طے کرنے کے لئے شریعت نے جو طریقہ بتلایا ہے اسمیں کچھ شرائط رکھدی ہیں۔ اگر ان شرائط کے مطابق ہوگا تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔

ایک شرط یہ ہے کہ کاروبار میں جتنا روپیہ لگانا ہے وہ طے ہو اور دوسرے شخص کو صاف طرح بتلا دیا جائے کہ میں اتنا روپیہ دوں گا۔